© rasailojaraid.com

واہگہ کے اُس پار

جناب حبیب انصاری [illegible] صاحب

بھارت کے مسلمانوں پر جو کچھ گزر رہی ہے اس کی عنداللہ اور عندالناس جوابدہی ہم پاکستانی مسلمانوں پر عاید ہوتی ہے۔ کیونکہ جس وعدے پر ہم نے پاکستان بنایا اور جس کی خاطر بھارتی مسلمانوں نے اپنے خوفناک مستقبل کا اندازہ رکھتے ہوئے قربانی دی، یعنی اسلامی نظام کا قیام، اس وعدے کا ایفا کرنا ہمارے ذمے قرض ہے۔ بھارت کے واقعات و احوال بار بار ہمارے ضمیروں کو کچوکے لگاتے ہیں۔

(ادارہ)

شاہ بانو کیس کے سلسلے میں بھارتی سپریم کورٹ کے فیصلے کی سیاہی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ راجستھان ہائی کورٹ نے بھی ایک مسلم مطلقہ خاتون مریم کے حق میں نفقہ ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ بھارتی مسلمان مسلم پرسنل لا میں مداخلت پر پہلے ہی مشتعل تھے، نئے عدالتی فیصلے سے ان کے غم و غصے میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ احتجاجی مظاہروں، جلسے اور جلوسوں میں شدت آگئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نام نہاد بھارتی سیکولرازم کی مسلم دشمنی حد سے تجاوز کر چکی ہے۔ خونِ مسلم کی ارزانی کا یہ عالم ہے کہ دکن کے ساحلوں سے لے کر لداخ کے پہاڑوں تک کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں آئے دن کسی مسلمان کا گلا نہ کٹتا ہو، اور جہاں مسلمانوں کی آبرو نہ لٹتی ہو۔ استحصال و جبر کی اَن گنت شکلیں اپنائی جاتی ہیں۔ معاشی اور سماجی طور پر اُن کو پستیوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ ان کی تہذیب و ثقافت پر منظم حملے کیے جاتے ہیں۔ اُن کو بھارت کے شہری ہوتے ہوئے "پاکستانی" کہا جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پاکستان کا جاسوس سمجھا جا رہا ہے۔ ایک بھارتی مسلمان نے بھارت میں مسلمانوں کی حالتِ زار کے بارے میں جو تجزیہ کیا، اس کا ایک فقرہ قابلِ غور ہے:

"جب تک ہم متاعِ دین و ایمان لُٹا نہیں دیتے، ہندو ہمیں کبھی بھارت کا شہری نہیں سمجھے گا۔"

گذشتہ برس کلکتہ کے متعصب ہندوؤں نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ قرآن پاک پہ پابندی لگا دی جائے۔ مسلمانوں کے زبردست احتجاج کے بعد اعلیٰ عدالت نے اس مقدمے کو خارج کر دیا۔ اس سال ملک کی سب سے سینیئر عدالت کے پانچ ججوں نے طلاق و نکاح کے مسلّمہ اسلامی قانون کے خلاف فیصلہ دیا اور مسلمانوں کے بے حد و حساب احتجاج کی پروا نہیں کی۔ پروانوں کی اسلام دشمنی کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

عدالتوں کے علاوہ بھارتی پریس پر قابض متعصب اکثریت مسلمانوں کو زک پہنچاتے، اُن کے عقائد و نظریات کے منافی تحریریں چھاپنے اور ان کے خلاف حکومت اور عوام کو بھڑکانے میں سرگرم رہتی ہے۔ ہندو پریس کی مسلم دشمنی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۵ء کو سنڈے ایکسپریس میگزین" میں مسٹر کامتھ کا ایک مضمون "یکساں سول کوڈ" کے بارے میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے ہندو اکثریت اور حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے یکساں کوڈ نافذ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں، اور اورنگ زیب کے ظلم و جبر کو اپنے لیے مثال نہ بنائیں۔ کامتھ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ہندوستان کے شہری قوانین کو سیکولر بنانا اور تمام شہریوں پر خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب و عقیدے سے ہو، یکساں طور پر نافذ کرنا انتہائی مطلوب ہے، لیکن عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے یہاں کی تبدیلی یا اصلاح کی رفتار خود متعین کریں، تاکہ ظلم و جبر کا الزام ہندوؤں پہ کبھی نہ لگایا جائے۔ ہندوؤں کو اپنا نمونہ اورنگ زیب کے بجائے اپنے اعلیٰ و ارفع ضمیر کو بنانا چاہیے۔"

۲۔ الٰہ آباد سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار PROBE نے آر بالا شنکر کا ایک انتہائی زہر آلود مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں جنوبی ہند کی ریاست کیرالا کے ایک ضلع ملاپورم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خطرناک مسلم اکثریت کا علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے "ملاپورم — منی پاکستان"۔ اس میں کہا گیا ہے کہ یہاں کے مسلمان دم گھٹنے کی حد تک اسلامی حدود و قیود پر عمل پیرا ہیں اور خطرناک انداز میں اسلامیت کے احیاء کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو ہندوستان کی سلامتی کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مضمون نگار نے مزید لکھا ہے کہ ملکی میں پاکستان کی فتح پر پٹاخے چھوڑ کر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ لوگ جماعت اسلامی کے اشارے پر پاکستانی حکومت اور نظامِ مصطفیٰ کے حق میں پروپیگنڈا کرتے ہیں اور ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھتے۔ بالاشنکر نے اس امر پر بھی اظہارِ تشویش کیا ہے کہ لوگ رمضان کے روزے باقاعدگی سے رکھتے ہیں اور مساجد میں مذہبی جنون سے جاتے ہیں۔ جمعے کے روز ہندوؤں کو بھی دکانیں بند کرنے کا مجبور کیا جاتا ہے اور رمضان میں غیر مسلم بھی کھلم کھلا کھانا نہیں کھا سکتے۔ مضمون نگار نے "منی پاکستان" کی جو تصاویر شائع کی ہیں، وہ زیادہ تر مساجد کی ہیں۔ دو کیپشن ملاحظہ ہوں:

"ملاپورم، ہر جگہ مسجدیں، آدھے کلومیٹر میں پانچ مسجدیں"

"کوزے کوڈے شہر — مسجد شہر کے عین درمیان میں"

مضمون نگار نے مقامی مسلمانوں پر سمگلنگ اور جاسوسی کے الزامات عاید کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہاں پاکستان کے ایجنٹ آزادانہ پھرتے ہیں۔

۳ — چنڈی گڑھ بھارتی پنجاب کا دارالحکومت ہے۔ یہاں سے شائع ہونے والے ایک ماہانہ جریدے "جے کمبوج" نے دسمبر ۸۵ء کے شمارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں انتہائی توہین آمیز مواد چھاپا۔ مضمون نگار ڈاکٹر وی ایس رشی نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی عقیدت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف سے غازی علم دین شہیدؒ کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک مسلمان نوجوان محمد سرور نے ڈاکٹر رشی کے جسم میں خنجر بھونک دیا۔ اگرچہ وار اوچھا پڑا، لیکن گستاخِ رسولؐ ابھی تک ہسپتال میں ہے۔ بھارتی مسلمانوں نے اس پر بھرپور احتجاج کیا۔ (بدقسمتی سے پاکستانی پریس میں ابھی تک یہ خبر نہیں آئی)۔

۴ — ہندو اخبارات نے اردو (جو بھارتی مسلمانوں کی ملی زبان ہے) کے خلاف مہم چلا رکھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ ان میں ایسے مضامین، خبریں اور تجزیے چھپتے ہیں جن میں اُردو کا تنگ دامن اور فرقہ واریت کی حامل زبان کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ اُردو اور اسلام کی تنگنائیوں سے نکلیں جو اُن کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ مرکزی حکومت نے حال ہی میں ایک سرکلر جاری کیا ہے جس میں ایسے خودمختار اداروں کو جنھیں حکومت امداد دیتی ہے، کہا گیا ہے کہ وہ ہندی کے بغیر کوئی زبان استعمال نہ کریں، ورنہ اُن کی سرکاری امداد بند کر دی جائے گی۔ اگرچہ دباؤ کے بعد یہ سرکلر واپس لے لیا گیا، لیکن اس واپسی پر ہندو اخبارات نے طوفان کھڑا کر رکھا ہے۔ وہ ہندی کے حق میں اور اُردو کے خلاف باقاعدہ مہم چلا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملک کا نظام چلانے اور عوام کو متحد رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف ہندی ہی ملک کی زبان ہو۔ ہر تحریر کی تان اُردو کی مخالفت پر ٹوٹتی ہے۔ وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اُردو کے پروگراموں کے بھی مخالف ہیں۔

مسلم تہذیب اور ثقافت کا رشتہ ماضی سے توڑنے اور ہندو تہذیب سے خلط ملط کرنے کی واضح اور منظم کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں بھارتی ٹیلی وژن کا کردار خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ گذشتہ ہفتے جالندھر ٹیلی وژن سے ایک ڈراما ٹیلی کاسٹ ہوا۔ اس میں ایک عدالت کا منظر دکھایا جاتا ہے۔ ایک باریش ملزم کٹہرے میں کھڑا ہے۔ وکیلِ استغاثہ سوال کرتا ہے۔

تمھارا نام؟

"عبدالرحمٰن" — جواب ملتا ہے۔

"مسلمان ہو؟"

"نہیں!!"

"سکھ ہو، عیسائی ہو، ہندو ہو، کیا ہو؟"

"کچھ بھی نہیں — میرا کوئی مذہب نہیں۔"

اس موقعے پر عدالت کا جج مداخلت کرتا ہے اور کہتا ہے:

"اگر تمھارا نام عبدالرحمٰن ہے، تو تم مسلمان ہو!!"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جج کی رولنگ پر ملزم اور وکیل خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد سرکاری وکیل ملزم سے اس کی عمر کے بارے میں سوال کرتا ہے، تو وہ غصّے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہتا ہے:

"یہ بھی جج صاحب سے پوچھ لو۔ جب وہ میرے مذہب کے بارے میں جانتا ہے تو یہ بھی جانتا ہوگا کہ میں کب پیدا ہوا تھا۔"

جالندھر ٹی وی سے دکھایا جانے والا بچوں کا ایک ڈرامہ تاریخ اسلام کے ایک درخشندہ چہرے پر سیاہی ملنے کی گھناؤنی کوشش تھی۔ اس میں محمود غزنوی کے بارے میں کیا گیا زہریلا پروپیگنڈا استعارے کی زبان میں مسلم قوم سے اظہار نفرت تھا۔ ایک ماں اپنے سات آٹھ سالہ بچے کو سلانے کے لیے کچھ گنگنا رہی ہے۔ اس گیت کے بارے میں ماں بیٹے میں یوں مکالمہ ہوتا ہے:

بیٹا: ماں! یہ تم کیا گا رہی ہو؟

ماں: بیٹا یہ وہ گیت ہے جو میری ماں سلاتے وقت مجھے سنایا کرتی تھی۔

بیٹا: مجھے بھی سکھاؤ، جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو اپنے بچوں کو گا کر سلایا کروں گا۔

ماں: میرے بچے! یہ خوف کا گیت ہے، تم اسے نہ سیکھو۔

بیٹا: نہیں ماں مجھے سکھاؤ۔ میں ضرور سیکھوں گا۔ (بچہ ضد کرتا ہے)

ماں: یہ پرانے وقتوں کا گیت ہے۔ مائیں بچوں کو ڈراتی تھیں اس کے ساتھ۔ یہ گیت اس طرح ہے:

بیٹا جی نا جانا دُور دُور — نہ جانا دُور دُور
تُرک نشے میں چُور چُور — تُرک نشے میں چُور

بیٹا: ماں یہ تُرک کیا ہوتا ہے؟

ماں: بیٹا بہت پُرانے سمے کی بات ہے۔ ایک تُرک تھا۔ نام تھا اس کا محمود غزنوی۔ وہ بہت ظالم تھا۔ طاقت کے نشے میں چُور رہتا تھا۔ وہ چور بھی تھا۔ وہ ہمارے ملک میں آتا اور ہمارے بھگوان کی مورتیاں توڑ کر سونا چرا کر لے جاتا تھا۔

بیٹا: (اپنے تیغے میں اڑسا ہوا خنجر کھینچتے ہوئے) میں نہیں ڈرتا کسی تُرک سے۔ میں اُسے مار ڈالوں گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر ماں رونے لگتی ہے۔ بیٹا پریشان ہو کر اس سے لپٹ جاتا ہے اور کہتا ہے:

"نہ رو ماں۔ میں تم سے گیت نہیں پوچھوں گا۔ مت رو؟"

ماں : بیٹا! میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ مجھے تمہارا سورگباشی پتا یاد آگیا۔ وہ بھی تمہاری طرح بہادر تھا۔ وہ بھی ترک سے نہیں ڈرتا تھا اور ہر وقت اپنے پاس خنجر رکھتا تھا۔

بھارتی مسلمان آج اس خنجر کی زد میں ہیں۔ انھیں غزنوی اور عالمگیر کے "جرائم" کی سزا مل رہی ہے۔ ہندو اکثریت ہر وقت اپنی آستینوں میں خنجر چھپائے رکھتی ہے۔ دوستی بُری چیز نہیں بشرطیکہ یک طرفہ نہ ہو۔ ہمارے اربابِ اختیار ہندو ثقافت و تہذیب کے غلبے کی سازش سے بھی ہوشیار رہیں۔

اسلامی انقلاب کے شیدائیوں کے لیے نادر موقع

رانا صابر نظامی کی انقلابی کتب کے پہلے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں۔ ان کے دوسرے ایڈیشن ترمیم و اضافہ کے ساتھ چھپ کر مارکیٹ میں آچکے ہیں۔ پہلی فرصت میں آرڈر بک کرائیے۔ آرڈر کی فوری تعمیل ہوگی۔

یہ کتب ۱- ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ۔ ۲- مکتبہ تعمیر انسانیت ۳- اسلامی اکادمی۔ اردو بازار لاہور سے بھی دستیاب ہیں۔

ہماری مطبوعات

۱- اسلامی انقلاب	۲۷/- روپے	۲- اسلام اور شرک	۲۲/- روپے
۳- اسلام اور فرقہ پرستی	۱۲/- "	۴- اسلام اور سرمایہ داری جنگ	۲۷/- "
۵- ظالم سرمایہ دار اور اسلام	۱۶/- "	۶- بشریت انبیاء	۱۰/- "

غوثیہ کارپوریشن لمیٹڈ۔ قذافی مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث و نظر

جماعت اسلامی اور سیاستِ پاکستان

۱ــ جناب جاوید انصاری صاحب مدیر معاون یونیورسل میسیج ـ کراچی

۲ــ جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا ـ لندن ـ

۳ــ مدیر ترجمان القرآن ـ

ماہنامہ عریبیا کے تازہ شمارے (ماہ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء) میں جناب جاوید انصاری نے جماعت اسلامی کی ایک حامیانہ تصویر پیش کی ہے ـ اس پر جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا نے بطور خاص تبصرہ کیا ہے ـ جماعت کو انقلابیت سے ہٹ کر "دعوۃ" کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے ـ اس سلسلے میں مدیر ترجمان القرآن نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کہنا ضروری ہے ـ مجھے اپنی رائے مرتب کر کے مرتب کر کے براہ راست "عریبیا" کو بھجوانی ہے، مگر اس وقت اس کا ترجمان القرآن میں آنا ضروری ہے ـ

میری سہولت کے لیے جناب پروفیسر آسی ضیائی رام پوری اور برادر عزیز عبدالہادی احمد دونوں نے متذکرہ مضامین کے اُردو تراجم فراہم کر دیے تاکہ رسالے کی تیاری میں تاخیر نہ ہو ـ اُمید ہے کہ یہ تحریریں قارئین کے لیے دلچسپ ہی نہیں، بہت مفید بھی ہوں گی ـ

(ن ـ ص)

(۱)

جناب جاوید انصاری مدیر معاون "میسیج" کراچی

گذشتہ برسوں میں جماعتِ اسلامی پاکستان، تنقید و تذلیل کی کئی مہموں کا موضوع رہی ہے ـ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس مضمون کا مقصد ان نکتہ چینیوں کا جائزہ لینا اور ۷۷ء سے ۸۵ء تک کے کٹھن دور میں جماعت کی پالیسیوں کا معقول اور متوازن دفاع کرنا ہے۔

مسٹر بھٹو نے جس جمہوریت کو چلتا کر دیا تھا اُس کی بحالی کے لیے تحریک میں جماعت پیش پیش تھی۔ مگر اس تحریک میں شامل چند بے صبر عناصر جلد ہی الگ ہو گئے اور فوج کو پاکستان کی قومی سیاسی زندگی پر قبضہ مستحکم کر لینے دیا گیا۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں تحریک میں شامل جماعتوں نے بالعموم فوج سے مفاہمانہ رویّہ اختیار کیے رکھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نئی فوجی انتظامیہ نے وہ خطیبانہ سیاسی نعرہ اپنایا جو بہت دلکش تھا۔ جنرل ضیاء نے پاکستان میں اسلامی سیاسی نظام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے علامتی اصلاحات اور معاشی پالیسیاں نافذ کیں، جن کا مثبت اثر ہوا، اور انھوں نے جلد ہی نمائندہ حکومت بحال کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

اگست ۷۸ء میں جو سول انتظامیہ قائم کی گئی اس میں دو مقاصد کے پیش نظر جماعت بھی شامل ہو گئی: اوّلاً وہ اس طریق پر حاوی ہو جانا چاہتی تھی جو پارلیمانی جمہوریت کی بحالی پر منتج ہو۔ ثانیاً وہ ایسی قومی پالیسی اور اصلاحات بروئے کار لانا چاہتی تھی جو پاکستان میں اسلامی نظامِ معاشرت تعمیر کرنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ ۹ ماہ کا وہ عرصہ جب جماعت حکومت میں شامل تھی، نہایت مایوس کن ثابت ہوا۔ ہم میں سے جو صاحبان وزارتوں میں آئے وہ جنرل ضیاء اور اس کے فوجی حلیفوں کے اصل عزائم سے باخبر ہو گئے۔ یہ واضح ہو گیا کہ فوجی حکومت معاشرے کو اسلامی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ اُس کا تو مقصد اسلام کو اسی طرح استعمال کرنا تھا جیسے بھٹو سوشلزم کو اور فیلڈ مارشل ایوب خان قومیت کو استعمال کر رہے تھے۔ یوں اسلامی بنانا محض معاشرے کو سیاست سے الگ رکھنے اور فوجی آمریت کو دوام بخشنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جماعت کی وزارتوں نے ۷۸ء سے ۷۹ء تک کے عرصے میں جو پالیسیاں تجویز کیں اُن کی بڑی اکثریت کو صدر اور اُس کے مشیروں نے مسترد کر دیا۔

۷۹ء سے ۸۵ء تک جماعت فوجی انتظامیہ کی پالیسیوں کی کڑی مخالف رہی۔ ان پالیسیوں میں کھلے تضادات سے جماعت کی قیادت کو تشویش تھی تاہم بعض رفقاء کی دلیل یہ تھی کہ صدر خود تو ایک مخلص مسلمان ہے مگر سول انتظامیہ اس کی پالیسیوں کو ناکام بنائے دے رہی ہے۔ اس طرح ضرورت تھی کہ جس اسلامی فکر کی نمائندگی کا صدر کو دعویٰ تھا اُس کی تائید کی جائے اور ان پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایسے ادارے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے وضع کیے جائیں جو نوکرشاہی کو قابو میں رکھیں۔

ارکانِ جماعت کی بھاری اکثریت نے اِس حکمتِ عملی کی توثیق کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدر ضیاء کو اس سال قومی استصواب میں جماعت کی حمایت حاصل رہی۔ اس استصواب سے حکومت کے "اسلامیانے" کے لیے کیے جانے والے اقدامات کی توثیق مطلوب تھی۔ مگر استصواب سے کچھ ہی قبل جنرل ضیاء نے ایک ٹیلی وژن نشریے میں کہا کہ اس توثیق کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ انہیں مزید پانچ سال تک پاکستان کے صدر بنے رہنے کا پروانہ مل گیا۔ جماعت جنرل ضیاء کی حمایت پر رضامند ہو گئی، کیونکہ امیر جماعت میاں طفیل محمد سے ایک ملاقات میں صدر نے وعدہ کیا کہ وہ شریعت کو ملک کا بالادست قانون بنائیں گے، ۱۹۷۳ء کا دستور تمام و کمال بحال کر دیں گے اور غیر مشروط طور پر مارشل لا اٹھا لیں گے۔

جماعت کے جو رہنما ۱۹۷۸ء تا ۱۹۷۹ء سول انتظامیہ میں وزیر رہ چکے تھے انھیں صدر کی وعدہ خلافی پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ چھ سال پہلے ہی جان گئے تھے کہ فوجی قیادت، افسر شاہی کے اختیارات گھٹانے یا عوامی نمائندگی کے لیے اسباب پیدا کرنے کا، جس سے افسروں کو قابو میں رکھا جا سکے، کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جماعت حکومت کی نافذ کردہ "نفاذِ اسلام کی اسکیم" کا پول کھول دے اور عوام کو بتا دیا جائے کہ یہ محض پاکستان پر فوجی آمریت جاری رکھنے کا ایک پردہ ہے۔

وسط ۱۹۸۵ء میں جماعت نے فیصلہ کیا کہ قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرے، نیز اس نے اس کے لیے بھی مساعی تیز کر دیں کہ ایک وسیع بنیاد سیاسی پروگرام پر مبنی قومی اتحاد قائم کرے۔ اس پروگرام کے کلیدی عناصر یہ ہیں:

— ۱۹۷۳ء کے دستور کی تمام و کمال بحالی اور پاکستان میں اسلامی جمہوریت کا قیام۔

— پاکستان کی قومی سالمیت کا تحفظ اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے عطا کردہ چھوٹے صوبوں کے حقوق کی بحالی۔

— جہاد افغانستان کی حمایت جاری رکھنا۔

جماعت کو فوجی حکومت سے تعاون پر بھی ہدفِ نکتہ چینی بنایا گیا ہے اور اس کی مخالفت کے لیے ایک قومی سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کو بھی۔ میرا یہ منشا نہیں کہ ان میں سے کسی حکمتِ عملی کا دفاع کروں۔ میں جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور اسلامی نظریۂ سیاسی کے تناظر میں یہ دونوں حکمتیں بالکل جائز ہیں۔ کسی ایک سیاسی تدبیر کا انتخاب سیاسی طور پر مہنگا، بلکہ شاید بہت ہی مہنگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑ سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے جماعت اسلامی کے لیے یہ جائز نہیں۔

ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہوتے ہوئے جماعت سے وقتاً فوقتاً سیاسی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ جماعت نے اپنے ارکان اور کارکنوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ کچھ کارکنوں میں دنیا کی طرف میلان پیدا ہو چلا ہے اور اسلامی کام سے اُن کا رویّہ پیشہ ورانہ سا بن گیا ہے۔ اس کا نتیجہ پارٹی ڈسپلن ڈھیلا پڑ جانے اور پاکستانی معاشرے پر جماعت کے کام کا اخلاقی اثر ہلکا ہو جانے کی صورت میں رُونما ہوا ہے۔

تحریک میں جو فوائد حاصل ہوئے تھے، جماعت انہیں اختیار کرنے INSTITUTION-ALISING میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مزید برآں، انتخابی سیاست پر زیادہ توجہ دینے کے باعث سماجی اور تعلیمی کام، جو جماعت نے اپنے نقشے رکھے تھے، اُن کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے شہروں اور قصبوں میں عوامی بنیاد قائم کر لینے کے بہت سے مواقع جماعت نے کھو دیے۔ سب سے بڑھ کر یہ امر نقصان دہ ہوا کہ انقلابی نظریے کے فروغ کی طرف ناکافی توجہ دی گئی۔ بہت سے پالیسی اقدامات بیرونی محرکات کے فوری (ADHOC) تقاضوں کے تحت عمل میں آتے۔

جماعت کو شدید خطرے کا سامنا ہے کہ اس کی نگاہوں سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے عمل کا مربوط منظر اوجھل نہ ہو جائے اور وہ اس عمل کو دوسروں کے سامنے آشکارا کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے کوتاہ ثابت ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر عملیت اور تجربیت ہی پارٹی کے بنیادی اُصول بن کر رہ جائیں گے۔

جماعت کو جو ناکامیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے کتنے ہی رفقاء کو مایوسی ہوئی اور کچھ جماعت سے نکل بھی گئے، مگر انہیں پاکستان کی لادینی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی اور پلیٹ فارم تیار کرنے میں ناکامی ہوئی، بلکہ اکثر نے تو یہ کوشش ہی نہیں کی۔ جماعت اسلامی ہی ملک میں وہ تنہا سیاسی اور سماجی قوت ہے جو پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے پائیدار تحریک چلانے کی اہل ہے۔

یہ اس لیے کہ مولانا مودودیؒ کا پیش کردہ انقلابی نظریہ قطعی درست ہے اور آج کی مسلم دنیا میں نظریاتی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سماجی حالات میں انتہائی موزوں بیٹھتا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل کے قضیوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

— نوآبادیاتی استعمار کے تحت مسلم معاشروں میں باقاعدہ طبقہ بندی (FUNCTIONAL DISJUNCTURE) نمایاں ہے جو حکمران گروہ کی سماجی علیحدگی پسندی میں نظر آتا ہے، اور یہ طبقہ اصلاً بیرونی استعمار کی حمایت کے بل پر سیاسی اقتدار پر قابض ہے۔

— ان معاشروں کے اسلامی کردار کی بحالی کا تقاضا ہے کہ ان زبردستی کے سیاسی دھرماتماؤں کو بے دخل اور منتشر کردیا جائے اور منظم مسلم طاقتوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار مستحکم کردیا جائے۔

— مسلم ممالک میں اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کا واحد پائیدار آلہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہی ہوسکتی ہے۔ ایسی پارٹیاں اپنے سماجی اثرات کو سیاسی اقتدار میں بدل دینے ہی سے غرض رکھیں نہ کہ جزوی اصلاحات سے۔

یہ امر کہ جماعتِ اسلامی ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہے، دو باتوں سے ظاہر ہے۔ قیام پاکستان ہی سے یہ جماعت پاکستانی سیاست میں فعال رہی ہے۔ وہ جزوی اصلاحات پر کبھی مطمئن نہیں ہوئی۔ بلکہ اپنی تمام سرگرمیاں پاکستان میں اسلامی اصولِ سیاست و مدنیت کی تعمیر کے بنیادی کام میں صرف کرتی رہی ہے — ۱۹۴۹ء میں، ۱۹۶۲ء میں، ۱۹۷۱ء میں اور ۱۹۷۷ء میں پاکستان کا اسلامی تشخص منوانے اور جمہوریت بحال کرانے والی تمام قومی تحریکوں میں مرکزی کردار جماعت ہی کا رہا ہے۔ ۱۹۸۳ء سے ایم۔ آر۔ ڈی کے تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ پاکستان میں بحالی جمہوریت کی کوئی قومی تحریک، جماعت کی فعال شرکت کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آج جماعتِ اسلامی ہی پاکستان کی وہ واحد قومی جماعت ہے جو ایسی کوئی قومی تحریک منظم کرسکتی ہے جو عزم و فداکاری کی عملی طاقت بھی رکھتی ہے اور ایسی قیادت بھی جو ملک کے قومی اور اسلامی مفادات کو ذاتی مفاد پر فوقیت دینے کی اہل ہے۔

قربانیاں دینے کی اعلیٰ صلاحیت رکھنا جماعت کی قیادت کا ہمیشہ سے نمایاں وصف رہا ہے۔ قیادت کے اندر پالیسی کے مسائل پر اختلافات نے جماعت کو ہمیشہ تقویت ہی بخشی ہے۔ گذشتہ سالوں میں میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور کے مابین پالیسی تناظروں میں اختلافات پر بہت سے ہمدردوں کو تشویش ہوئی بعض مخالفین نے اس پر خوش ہوکر جماعت کی یقینی شکست و ریخت کی پیش گوئیاں بھی کیں۔ مگر جماعت کے اندران میں سے کسی رہنما نے بھی مایوسی ظاہر نہ کی۔ میاں طفیل محمد ایک نہایت محبوب امیر ہیں۔ جنہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارکان کے لیے بلند اخلاق کا نمونہ قائم کیا ہے اور پروفیسر غفور کی سیاسی بصیرت کا بھی وسیع احترام کیا جاتا ہے۔ اور جماعت کا سیاسی کردار دوبالا کرنے میں اُن کا کام نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جماعت ہمیشہ جمہوری تنظیم پر کام کرتی آئی ہے۔ اور جب تک انفرادی قربانیاں اور اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے رہنے کا عزم باقی رہے گا۔ سیاسی مناظروں میں اختلافات جماعت کی تقویت ہی کا باعث بنتے رہیں گے۔ یہ اختلافات جماعت کی اندرونی زندگی میں جمہوری کردار کے مظہر ہیں۔ ان سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ جماعتی قیادت اختلافی سیاسی پسند و ناپسند سے باخبر ہے اور اپنی قومی حکمتِ عملی میں لچک کا عنصر شامل کر لینے کی اہل بھی ہے۔

پاکستان کے علمبردارانِ اسلام کو جماعت کے قریب تر آنا چاہیے۔ پاکستان کی قومی سالمیت برقرار رکھنے اور اس کا اسلامی کردار منوانے کے لیے یہ ایک اہم قوت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ماضی میں اس نے سیاسی غلطیاں بھی کی ہوں گی۔ مگر بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، یہ تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ماحول کے تغیرات سے ہم آہنگ ہو جانے کی اہلیت کا ثبوت بھی دے چکی ہے۔ پاکستان کو اسلامی انقلابی خطوط پر چلا کر بدل ڈالنے کا اس کے سوا اور کوئی سیاسی ادارہ موجود نہیں ہے۔ جماعت پاکستان کا مستقبل بنانے میں اہم کردار ادا کیا چاہتی ہے۔ پاکستان کے اسلامی انقلابیوں کا، جو اس جماعت کی حمایت کر کے اور اس کی قیادت کے گرد جمع ہو کر بے یار و مددگار رہ جانے سے بچ سکتے ہیں، یہی فطرتی ملجا و ماویٰ ہے۔ (ترجمہ: پروفیسر آسی ضیائی، رام پوری)

---

(۲)

جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا، لندن

جہاں میں اپنی اس تحریر کی یاد تازہ کر رہا ہوں جو میں نے ڈاکٹر جاوید کے خط (عریبیا جون ۱۹۸۵ء) پر لکھی تھی۔ میں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ مسلم انقلابی (REVOLUTIONARY ISLAMIST) یا اسلامی انقلابی (ISLAMIC REVOLUTIONARY) کی اصطلاح ان لوگوں کو نہیں سجتی جو اسلام کے پیغام کو جامعیت اور اس کی امتیازی شان کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا دارومدار پیغامِ الٰہی کی حیثیت سے دعوت پر ہے اور اس کے مخاطب تمام لوگ ہیں: ظالم بھی اور مظلوم بھی۔

© rasailojaraid.com